Vol. 5 No.2 2021

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022

تانیثیت کے تناظر میں اردو فلم بول کا تجزیاتی مطالعہ

ANALYTICAL STUDY OF URDU FILM "BOL" IN THE CONTEXT OF FEMININITY

ڈاکٹر نازیہ ملک

اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ اردو،

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد

Abstract:

Femininity is the name given to the belief or concept that women and men have equal rights, rights and opportunities and are treated like men. In this context, the analysis of the film Bol will be presented here. The very name of this film shows that it is the story of a patriarchal society in which voices have been raised against the injustice done to women. The film Bol was released in 2011 and tells the story of a family from Lahore, Pakistan, in the context of femininity. In the article under review, this film is presented in the context of femininity.

Key Words: *femininity, Bol, rights, authority, electronic media, patriarchy, illiteracy, sectarianism, prostitution, corruption, bribery, third gender issues, birth rate.*

ملخص:

تانیثیت اس عقیدے یا تصور کا نام ہے جس کے مطابق عورتوں اور مردوں کے برابر حقوق اختیارات اور مواقع حاصل ہوں اور ان کے ساتھ مردوں کی طرح سلوک کیا جائے۔ اسی تناظر میں یہاں فلم بول کا تجزیہ پیش کیا جائے گا۔ اس فلم کے نام سے ہی پتا چلتا ہے کہ یہ ایک پدر سری معاشرے کی کہانی ہے جس میں خواتین کے ساتھ کی گئی ناانصافیوں کے خلاف آواز اٹھائی گئی ہے۔ یہ فلم 2011ء میں ریلیز کی گئی تھی جس میں پاکستان کے شہر لاہور سے تعلق رکھنے والے ایک خاندان کی کہانی تانیثیت کے تناظر میں بیان کی گئی ہے۔ زیر نظر مقالہ میں اس فلم کا تجزیہ تانیثیت کے تناظر میں پیش کیا گیا ہے۔

کلیدی الفاظ: تانیثیت، بول، حقوق، اختیارات، الیکٹرونک میڈیا، پدر سری، ناخواندگی، فرقہ واریت، جسم فروشی، بد عنوانی، رشوت، تیسری جنس کے مسائل، شرح پیدائش۔

تانیثیت کی تحریک کی ابتدا پندھوریں صدی سے ہوئی بعد میں تانیثیت کی دوسری لہر 1960ء میں منظر عام پر آئی اور اس کے ساتھ ہی 1980ء میں اس کی تیسری لہر نے ادب کو متاثر کیا۔ اس تحریک کے برعکس اردو میں ہم دیکھیں تو یہاں تانیثیت کی تاریخ ہمیں بیسویں صدی کی چوتھی دہائی میں دیکھنے کو ملتی ہے لیکن بیسویں صدی کی چھٹی دہائی کے بعد تانیثی ادب نے جب دنیا بھر میں زور پکڑا تو دوسرے ادب کی طرح اردو ادب کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ یہ اس دور کی بات ہے جب ترقی پسند تحریک اپنے پورے زوروں پر تھی اور کئی شاعرات نے اس تحریک کے زیر اثر اردو ادب میں اپنی تخلیقات پیش کیں جن میں نسائیت کا رنگ واضح طور پر دیکھا جا سکتا ہے اور اس نسائی و تانیثی ادب کو بعد میں آنے والے ادوار میں بہت سی مصنفاؤں نے نسائی شناخت اور خود آگاہی کے ساتھ پیش کیا۔ نسائیت اور تانیثیت میں بنیادی طور پر بہت فرق ہے۔ نسائیت عورتوں کے ان خیالات و جذبات و احساسات کو واضح کرتی ہے جو ان کے تجربات اور ان کی گھریلو زندگی کے مشاہدات کے حوالے سے گھریلو اور ماحولیاتی جبر کے نتائج کے طور پر سامنے آتا ہے۔ جبکہ تانیثیت ایک تحریک ہے اور یہ تحریک معاشرے میں نہ صرف جبر کو رد کرتی ہے بلکہ معاشرے کی اس ذہنی سطح کو بھی مسترد کرتی ہے جو عورت کو کم تر گردانتی ہے۔

Vol. 5 No.2 2021
ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022

آکسفورڈ ڈکشنری میں تانیثیت کی اصطلاح کے جو معنی بیان ہوئے ہیں وہ یہ ہیں:

"The belief that woman should be allowed same rights, power and opportunities as men and be treated in the same way, or the set of activities intended to achieve this state". (1)

یعنی تانیثیت اس عقیدے یا تصور کا نام ہے جس کے مطابق عورتوں کو مردوں کے برابر حقوق، اختیارات اور مواقع حاصل ہوں اور ان کے ساتھ مردوں کی طرح سلوک کیا جائے۔ اس طرح کی صورت حال کو حاصل کرنے کے لیے کی جانے والی کوششوں اور اقدام کو بھی تانیثیت سے تعبیر کیا جائے گا۔ بہر حال تانیثیت کے حوالے سے آج تک جو تعریفیں بھی کی گئیں ان کے مطابق یہ بات واضح ہوتی ہے کہ تانیثیت جنسی مساوات کا مطالبہ کرتی ہے اور زندگی کے ہر شعبے میں مساوات کی حمایت کرتی ہے۔

اردو لفظ تانیثیت دراصل Feminisim کے متبادل کے طور پر سامنے آتا ہے۔ فیمینزم لاطینی لفظ "فے مینا" سے لیا گیا ہے۔ یہ اصطلاح اب انگریزی میں ایک الگ اور مخصوص معنوں میں استعمال ہوتی ہے۔ لاطینی میں اس سے مراد عورت، فرانسیسی میں عورتوں کے حقوق اور انگریزی میں جنسی برابری کی تحریک کے لیے اسے استعمال کیا جاتا ہے لیکن ہمارے ایشیائی ممالک ابھی اس سوچ سے کوسوں دور ہیں برابری تو دور کی بات ہے ہمارے معاشرے میں عورتوں کو ان کے حقوق بھی پورے نہیں دیئے جاتے۔ کئی معاشروں میں تو عورتوں کی حیثیت صرف غلام کی سی سمجھی جاتی ہے۔

انور پاشا اپنے مضمون تانیثیت اور ادب میں لکھتے ہیں:

"تانیثی فکر یا آئیڈیا میں بغاوت و احتجاج کو کلیدی حیثیت حاصل ہے اور یہ بغاوت واحتجاج محض عورتوں کی آزادی، اس کے جمہوری حقوق کی حصولیاتی یا چند سیاسی سماجی و معاشی حقوق یا مراعات حاصل کرنے سے عبارت نہیں بلکہ یہ احتجاج و بغاوت مرد اساس نظام و اقدار کے ان جملہ تصورات کو یکسر بدل دینے سے تعلق رکھتی ہے جو عورت کو Second sex یا The other قرار دینے سے عبارت ہیں۔ (2)

اسی طرح معروف تانیثی مفکر سمون دی بوار نے احتجاج کرتے ہوئے کہا کہ:

"عورت پیدا نہیں ہوتی بنا دی جاتی ہے" (3)

اسی طرح Hele Cixous نے بھی اس مردانہ معاشرے میں عورت کی کم تر حیثیت پر احتجاج کرتے ہوئے کہا (Poststructuralist feminist theory)

We are led to prose the woman question to history in quite elementary from wher is she? Is there any suc thing as woman? At worst many wonder whether they even existed? They feel they do not exist and wonder if there has even been a place for them. (4)

دراصل عورت کے وجود کی نفی مردانہ معاشرے کے جبر کی وضاحت ہے جس نے عورت کی آزادی اور انفرادیت کو زندگی کے تمام شعبوں سے ختم کیا ہے اور اسے اپنی مرضی و خودداری کے حق سے محروم رکھا۔ جس کی وجہ سے وہ زندگی کے تمام شعبوں میں اس حق اور شناخت کی بات کرتی ہے۔

Vol. 5 No.2 2021
ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022

تانیثیت کے تناظر میں جہاں ہمارے ہاں بہت سا ادب تخلیق ہوا وہاں ڈراما اور فلم بھی پیچھے نہیں۔ ہمارے ہاں خواتین کے حقوق کے لیے فلم نے بھی بہت اہم کردار ادا کیا ہے اور الیکٹرانک میڈیا نے ہمیشہ سے ہی سیاسی معاشی و معاشرتی مسائل کے ساتھ ساتھ خواتین کے حقوق و آزادی، جنسی مسائل اور ہراسمنٹ کے حوالے سے آواز اٹھائی ہے۔ الیکٹرانک میڈیا نے رفتہ رفتہ اپنے قدم مضبوطی سے جما لیے ہیں۔ اس لیے جدید دور میں میڈیا کی حیثیت بہت مضبوط اور طاقتور ہے۔ پھر چاہے وہ صحافت / پرنٹ میڈیا ہو یا الیکٹرانک میڈیا، سوشل میڈیا، یوٹیوب بہر حال میڈیا نے ہر طرف ایک دھوم مچا رکھی ہے اور اسی طرح فلم کے میڈیم نے تو ملک و قوم کو جذبات، سماج اور شعور کے بیدار ہونے کے ساتھ ساتھ تہذیب و ثقافت اور عالمی بصیرت کے مواقع اور وسائل فراہم کر کے نہ صرف ملک و ملت میں اتحاد قائم کیا بلکہ ملک و قوم کو عالمی تناظر میں بھی ابھرنے کے راستے دکھائے۔

بقول نصرت ظہیر:

> جدید ہندوستان کو قوم و ملک اور تہذیب کے طور پر ایک وحدت کی شکل دینے میں تین چیزوں کا سب سے بڑا ہاتھ ہے اردو زبان، ہندوستانی ریلوے اور ہندوستانی سینما۔ (5)

اردو برصغیر کی مادری زبان سمجھی جاتی ہے کیونکہ اردو کو زندہ رکھنے میں فلموں نے بھی بہت اہم کردار ادا کیا ہے ہمارے ہاں علاقائی زبانوں میں بھی فلمیں بنتی ہیں مگر وہ ایک مخصوص علاقے تک ہی محدود رہتی ہیں جبکہ اردو کی فلمیں اپنے علاقوں اور تمام ملک میں شوق سے دیکھی جاتی ہیں اردو نے سینما کو نہ صرف قومی بلکہ بین الاقوامی سطح پر بھی مقبول کیا ہے اور ہالی ووڈ کے مقابلے میں بالی ووڈ اور لالی ووڈ آج دنیا کی دوسری سب سے بڑی فلم انڈسٹری ہیں جس کی اردو فلمیں تمام دنیا میں دیکھی اور پسند کی جاتی ہیں۔ بقول عزیز احمد:

> اردو نے دوسروں سے کہیں بڑھ چڑھ کر اردو فلموں کے توسط سے اور اردو فلموں نے اردو کے توسط سے ہندوستان کے عوام میں رنگ و نسل، ذات پات، مذہب علاقائیت اور کلچر کی بے پناہ و رنگا رنگی کے باوجود سیکولر نظریات اور عمل اور قومیت کے جذبے اور طرز فکر کو مستحکم کرنے میں بڑا کام کیا ہے حقیقت تو یہ ہے کہ اردو زبان و ادب کے بغیر مشترکہ ہندوستانی تہذیب اور متحدہ ہندوستانی قومیت کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا"۔ (6)

اردو کوئی معمولی زبان نہیں ہے یہ دنیا کی تیسری بڑی زبان ہے جو بہت سے لوگوں کی مادری اور بہت سے لوگوں کی رابطے کی زبان کی حیثیت رکھتی ہے اور پورے برصغیر کی مشترکہ زبان ہے جو ہندوستان میں ہندوستانی اور پاکستان میں اردو کے نام سے جانی جاتی ہے اور کم از کم پچھلے سو سال سے اردو فلموں نے اردو کے مکالموں اور گانوں کے ذریعے اردو کو دنیا کے گوشے گوشے میں پہنچایا ہے اور اردو کے ذریعے ہی فلم انڈسٹری ہر دلعزیز اور مالدار صنعت کے طور پر ابھری ہے ہماری فلموں نے بہت سے سیاسی، سماجی، معاشی اور نفسیاتی موضوعات کو دنیا تک پہنچایا ہے اور فلم ایک ایسا طاقتور میڈیا ہے جو ہمارے معاشرے میں تبدیلی لا سکتا ہے اور یہ تفریح کا بھی بہترین ذریعہ ہے۔

آج میں نے یہاں پاکستانی فلم "بول" کا تجزیہ تانیثیت کے تناظر میں کیا ہے۔ جیسا کہ اس کے نام "بول" سے پتا چلتا ہے کہ یہ ایک پدرسری خاندان کی کہانی ہے جس میں معاشرے میں خواتین کے ساتھ کی گئی ناانصافیوں کے خلاف آواز اٹھائی گئی ہے۔ یہ پاکستانی اردو فلم 2011ء کو ریلیز کی گئی تھی۔ اس فلم کی ہدایت، پروڈیوسر اور تحریر شعیب منصور نے کی۔ فلم "بول" پاکستان کے شہر لاہور سے تعلق رکھنے والے ایک خاندان کی کہانی ہے۔ اس خاندان کے سرپرست حکیم صاحب ہیں جو حکیمی ادویات فروش ہیں۔

یہ فلم خواتین پر ہونے والی جنسی مظالم اور طاقت پر مبنی تشدد کی بہترین عکاس ہے۔ اس فلم میں بہت سے مسائل کو بیان کیا گیا ہے جیسے کہ غربت، ناخواندگی، فرقہ واریت، حقوق نسواں، پدرسری نظام، جسم فروشی، مذہب، بدعنوانی، رشوت، تیسری جنس، شادی کے مسائل اور شرح پیدائش میں اضافے اور ازدواجی عصمت دری کے مسائل، حکام کی غفلت اور میڈیا کا کردار وغیرہ جس کا اجتماعی طور پر تجربہ کرنا مشکل ہے لہذا یہ مطالعہ فی الحال

Vol. 5 No.2 2021
ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022

تانیثیت تک محدود کیا گیا ہے۔ اس فلم کا آغاز یوں ہوتا ہے کہ اس فلم کا مرکزی کردار زینب پھانسی گھاٹ پر کھڑی ہے جہاں اسے پھانسی دی جانے والی ہے وہ معاشرے میں تبدیلی لانے کے لیے اپنی کہانی میڈیا کو بتاتی ہے کہ اس کے والد ایک حکیم صاحب ہیں جو بہت سخت عقائد رکھنے والے ایک مذہبی آدمی ہیں اور ہر سال ایک بچہ پیدا کرتے ہیں اس انتظار میں کہ ان کے ہاں لڑکے کی پیدائش ہو۔ زینب اپنی شادی شدہ زندگی کو خیر آباد کہہ دیتی ہے کیونکہ اسکا شوہر بچہ پیدا کرنے کے خلاف ہوتا ہے۔ زینب کی ماں آخر میں جس بچے کو جنم دیتی ہے وہ ایک خواجہ سرا ہے۔ جسے حکیم صاحب سخت ناپسند کرتے ہیں۔ زینب اپنی ماں پر ہونے والے ازدواجی جنسی ظلم کی وجہ سے ماں کو ڈاکٹر کے پاس لے کر جاتی ہے اور ماں کا آپریشن کروادیتی ہے۔

جب زینب کے باپ حکیم صاحب کو یہ پتا چلتا ہے تو وہ بیوی اور بیٹی دونوں کو بہت مارتے ہیں۔ حکیم صاحب اپنے خواجہ سرا بچے سے شدید نفرت کرتے ہیں جبکہ گھر کے باقی افراد اس بچے سیفی سے بہت پیار کرتے ہیں۔ زینب اپنے بھائی سیفی کو اپنے والد کی مالی مدد کرنے کے لیے ٹرک پینٹ کرنے کی نوکری پر بھیجتی ہے جہاں اس کا ریپ ہو جاتا ہے حکیم صاحب کو جب یہ پتا چلتا ہے تو وہ سیفی کو قتل کر دیتے ہیں تاکہ انھیں ایسے بچے کے باپ ہونے پر مزید شرمندہ نہ ہونا پڑے اور پولیس کو رشوت مسجد کے ریزوفنڈ سے دے کر چھوٹ جاتے ہیں۔

حکیم صاحب کے پڑوس میں ایک گلوکار لڑکا مصطفیٰ رہتا ہے۔ جو کہ شیعہ فرقہ سے ہے اور زینب کی بہن عائشہ کو پسند کرتا ہے حکیم صاحب شیعہ ہونے کی وجہ سے اسے بیٹی کا رشتہ دینے سے انکار کر دیتے ہیں۔

حکیم صاحب ایک طوائف کے گھر قرآن پڑھانے جاتے ہیں وہاں اپنی سات بیٹیوں کی وجہ سے طوائف کو شادی کی پیشکش کرتے ہیں اور اسے رقم دے کر اس سے شادی کر لیتے ہیں۔ زینب باپ کی غیر موجودگی میں عائشہ اور مصطفیٰ کی شادی کروا کر ایک اور جرات مندانہ قدم اٹھاتی ہے۔ باپ جب واپس آتا ہے اسے پتا چلتا ہے تو وہ ایک بار پھر زینب پر جنسی تشدد کرتا ہے اور اسے زرکوب کرتا ہے۔

حکیم صاحب جیسے جیسے وقت گزرتا ہے طوائف سے نئے آنے والے بچے کے بارے میں کافی فکر مند ہوتے ہیں۔ مینا بھی ایک بچی کو جنم دیتی ہے اور حکیم صاحب کے حوالے کر کے چلی جاتی ہے حکیم صاحب اس بچی کو قتل کرنے کی کوشش کرتے ہیں تو ایک بار پھر زینب ان کے سامنے آجاتی ہے اور ان کو روکتی ہے جب وہ نہیں رکتے تو زینب حکیم صاحب اپنے والد کو قتل کر دیتی ہے اور بہن کی جان بچا لیتی ہے۔

اس کے بعد زینب میڈیا کے سامنے چند سوال اٹھاتی ہے غربت سے متعلق سوال، اسلام سے متعلق غلط تصورات اور خواتین کے حقوق اور معاشرے میں ان کی ذمہ داریوں کے غلط تصورات سے متعلق سوالات۔ ایک ٹی وی رپورٹر زینب کی جان بچانے کی کوشش بھی کرتی ہے مگر وہ ناکام رہتی ہے۔

فلم کے آخر میں دکھایا جاتا ہے کہ زینب کی بہنیں مل کر ایک ریسٹورنٹ کھولتی ہیں جو بہت کامیابی سے چلتا ہے اور اپنی نئی بہن (جو کہ مینا طوائف کی بیٹی ہوتی ہے) کی پرورش بھی بہت اچھی طرح کرتی ہیں۔

"بول" ایک بولڈ فلم ہے۔ کچھ فلمیں ایسی ہوتی ہیں جو ہمیشہ یاد رہتی ہیں اور ایک لمبے عرصے تک اپنا اثر قائم رکھتی ہیں۔ بول بھی ان میں سے ایک ایسی ہی فلم ہے جس نے سب کے ذہنوں کو ہلا کے رکھ دیا ہے اور معاشرے کے سب لوگوں کو نئے انداز سے سوچنے پر مجبور کیا ہے۔

زینب کا کردار اس فلم میں طاقت کے مقابلے میں مزاحمت کے طور پر سامنے آتا ہے۔ اس پوری فلم میں وہ گھر کے سربراہ کی طرف سے ہونے والی ناانصافیوں اور ظلم کے خلاف مسلسل آواز اٹھاتی نظر آتی ہے۔

"زینب: ہم تو آپ کا سہارا بننا چاہتے تھے ترس آرہا ہے آپ یہ کتنے اکیلے پڑ گئے ہیں۔ اب ایسے کیسے سدھریں گے ہمارے گھر کے حالات۔

ابا: حالات سدھارنے کے لیے ہی تو بیٹا چاہیے تھا لی کن آتی گئیں تم سب چڑیلیں قطار اندر قطار۔

Vol. 5 No.2 2021
ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022

زینب: یہ قطار لگائی کس نے ہے، ہم نے تو ضد نہیں کی تھی پیدا ہونے کے لیے، دو تین کے بعد رک جاتے قطار لگائی آپ نے خود۔ نام لگا رہے ہیں اللہ کا"۔[7]

اپنے گھر کو بھی وہ اپنے شوہر کے غلط فیصلے کی وجہ سے چھوڑتی ہے۔ زینب وہ جنگجو ہے جو ظلم برداشت نہیں کرتی بلکہ اس کے خلاف آواز اٹھاتی ہے اور آخر کار کر باپ کو قتل کر دیتی ہے اور آخر میں سوال اٹھاتی ہے کہ:

"اگر قتل کرنا گناہ ہے تو خاندانی منصوبہ بندی کے بغیر جنم دینا گناہ کیوں نہیں؟"[8]

اس پدر سری نظام جس میں ہم جنس پرستی عام معمول ہے اور ایک حقیقت ہے اس فلم میں ساتواں بچہ جو کہ خواجہ سرا ہے سیفی جس کی صنفی شناخت اس کے والد کے لیے نا قابل قبول ہے کیونکہ وہ اسے خاندان میں شرم کا باعث سمجھتے ہیں اور جب سیفی لاپتا ہوتا ہے تو اس کے والد کہتے ہیں:

"میں نے اس کو کہاں نہیں ڈھونڈا۔۔۔۔ خدا کرے وہ مارا گیا ہو"[9]

اس فلم میں اس چیز کا دکھ نہیں ہوتا کہ سیفی کو اس کا باپ قتل کر دیتا ہے بلکہ دکھ اس بات کا ہے کہ ہمارا معاشرہ اس تیسری صنف کو قبول نہیں کرتا اور اپنے اصولوں اور معیارات کی راہ میں ایک بڑی رکاوٹ سمجھتا ہے۔ ایسی صنف کو ہمارے معاشرے میں کوئی حقوق حاصل نہیں ان کو نہ صرف دھتکارا جاتا ہے بلکہ ہر طرف ذلت ہی ان کا مقدر بنتی ہے۔

اس فلم میں تمام خواتین کو حجاب کرتے دکھایا گیا ہے حالانکہ زینب جب اس حجاب کے خلاف احتجاج کرتی ہے اور بطور کیریئر فلموں میں کام کرنے کی خواہش کرتی ہے تو اس کا باپ اسے حرافہ اور طوائف کہہ کر پکارتا ہے حالانکہ فلم میں مینا جو کہ ایک طوائف ہے اور مرانہ نگاہوں کو اپنی جانب متوجہ کرنے کے لیے غیر اخلاقی ملبوسات پہنتی ہے۔ فلم میں وہ ایک فحش اور اونچی آواز میں گالیاں دینے والی عورت دکھائی گئی ہے اور سیکس ورکر ہونے کی وجہ سے وہ کسی ایک مرد کے ساتھ زندگی نہیں گزارنا چاہتی۔ فلم میں وہ اپنی آزادی کی بات کرتی ہے مگر اس کی پوزیشن بھی زوال پذیر نظر آتی ہے کیونکہ وہ زینب کے . والد کی دوسری بیوی بن جاتی ہے۔

زینب کے والد جو فلم میں پدر سری نظام کے تحت حقیقی سرپرست کی حیثیت سے نظر آتے ہیں وہ تمام مردانہ مراعات سے لطف اندوز ہوتے ہیں انھیں گھر میں تمام اختیارات حاصل ہیں وہ کسی کی نہیں سنتے اور جس چیز کو اپنے اس روایتی پدر سری نظام کے لیے خطرہ تصور کرتے ہیں اس پر پابندی لگا دیتے ہیں اسی لیے وہ اپنی آٹھویں بیٹی کو قتل کرنے کی کوشش بھی کرتے ہیں۔

اس فلم کی ایک اچھی بات یہ تھی کہ اس فلم میں پڑوس میں ایک ترقی یافتہ خاندان دکھایا گیا جو اپنے دونوں بچوں لڑکے اور لڑکی دونوں کو تعلیم کے لیے سکول بھیجتے ہیں اور یہ ایک روشن خیال خاندان ہے اور بعد میں جس کی بہو زینب کی بہن عائشہ بھی بنتی ہے اور اس کی شادی شدہ زندگی کو اس خاندان کے ساتھ بہت خوشگوار دکھایا گیا ہے۔

اس طرح اس فلم میں بتایا گیا ہے کہ تعلیم و تربیت انسان کے لیے کتنی ضروری ہے۔ اگر تعلیم و تربیت حکیم صاحب کے گھرانے میں بھی ہوتی تو اس طرح خواتین کے حقوق کو پامال نہ کیا جاتا ہمارے ہاں زیادہ تر حکیم و مولوی حضرات وہ لوگ ہیں جن کی عام روایتی انداز میں تربیت ہوئی ہوتی ہے اور وہ خود کو بڑے علماء سمجھنا شروع کر دیتے ہیں حالانکہ مذہب کے متعلق انھیں سوجھ بوجھ نہیں ہوتی اور وہ خود کو کٹر مذہبی ثابت کرنے کے لیے عام طور سے ایسے جاہلانہ فیصلے کرتے ہیں جن کا مذہب سے دور دور تک کوئی تعلق نہیں ہوتا اور مذہب سے اسی دوری کی وجہ سے ہمارے ہاں زیادہ تر عورتوں کو غلام یا محکوم سمجھا جاتا ہے حالانکہ ہمارے مذہب نے عورتوں کو پوری آزادی دی ہے اور جیسے حقوق عورت کو اسلام نے دیئے ہیں ایسے حقوق آج تک کسی مذہب نے نہیں دیئے مگر افسوس ہمارے ہاں اسلام کو صرف اپنے مفاد کی حد تک ہی سمجھا گیا ہے۔ بقول حکیم صاحب۔

Vol. 5 No.2 2021
ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022

"حکیم صاحب: ایک بیٹی نے پریشان کر رکھا ہے۔ نہایت ملحدانہ خیالات ہو چکے ہیں اس کے۔ دین میں نکتے نکالنی ہے حدیث پے سوال نکالتی ہے۔

دوست: حکم صاحب یہ کیا کہہ رہے ہیں آپ

حکیم صاحب: ٹھیک کہہ رہے ہیں اس کی آنکھوں میں بغاوت ہے اس کی زبان میں زہر بھرا ہوا ہے ہمیں ڈر ہے یا تو وہ ہمارے ہاتھوں جان سے جائے گی یا ہم مریں گے اس کے ہاتھوں۔"(10)

آج جو خواتین کی آزادی و مساوات کی تحریکیں دنیا میں سر اٹھا رہی ہیں ہمارے ہاں بہت پہلے یہ آزادی اور کسی حد تک مساوات خواتین کو دے دی گئی تھیں۔ اس کے علاوہ اس فلم میں بہت سے متنازعہ موضوعات جیسے خاندانی منصوبہ بندی کی طرف بھی توجہ دلائی گئی ہے اور اسے ظلم کے مطابق درست قرار دیا گیا ہے جب آخر میں فلم کی ہیروئن یہ ڈائیلاگ بولتی ہے:

"زینب: میں نے اپنے باپ سے اپنی پیدائش کا بدلہ کیا ہے میرے باپ نے آٹھ بچے پیدا نہیں کیے تھے بلکہ آٹھ بچے مارے تھے میں اپنے پیچھے ایک سوال چھوڑ کے جانا چاہتی ہوں اور میں چاہتی ہوں کہ آپ سب اس سوال کا جواب اس معاشرے سے مانگیں۔ سوال یہ ہے کہ صرف مارنا ہی کیوں جرم ہے پیدا کرنا کیوں نہیں۔ پیدا کرنا جرم کیوں نہیں ہے پوچھیے۔

حرام کا بچہ پیدا کرنا یہ جرم کیوں نہیں ہے

جائز بچے پیدا کر کے ان کی زندگیاں حرام کر دینا جرم کیوں نہیں۔

لوگوں کو سمجھائیں کہ اور بھیک منگے پیدا نہیں کرو۔

روتی بسورتی زندگیاں پہلے ہی بہت ہیں

جب کھلا نہیں سکتے تو پیدا کیوں کرتے ہو۔"(11)

یہ واقعی ایک غور طلب مسئلہ ہے کیونکہ ہمارے ہاں پدر سری معاشرے میں بہت سی شادی شدہ خواتین کو جنسی جبر کا نشانہ صرف اس لیے بنایا جاتا ہے کیونکہ اولادِ نرینہ چاہیے ہوتی ہے اور مرد کو صرف اپنی ہوس اور اولاد نرینہ سے مطلب ہوتا ہے تاکہ اس کی نسل آگے چل سکے۔ عورت کس کرب سے گزرتی ہے اس کی تکلیف کو تکلیف نہیں سمجھا جاتا کیونکہ عورت صرف غلام یا محکوم ہے۔

بہر حال یہ ایک ایسی بولڈ اور متنازعہ فلم ہے جسے ہر کوئی سراہا نہیں سکتا اس کی وجہ اس فلم کے بہت سے مسائل کا ہمارے مذہب سے ٹکرانا بھی ہے۔ لیکن اس فلم میں زیادہ تر جن مسائل کی طرف لوگوں کی توجہ دلائی گئی ہے جیسے تانیثیت اور تیسری جنس کے مسائل وہ واقعی حقیقی مسائل ہیں اور یہ پدر سری معاشرے کی دین ہیں۔ ان مسائل کی طرف توجہ دلانے کی بہت ضرورت ہے اس حوالے سے یہ فلم ہمیشہ یاد رہنے والی فلموں سے ایک فلم ہو گئی اور عوام اسے ہر دور میں یاد رکھیں گے۔

حوالہ جات

1. Oxford Dictionary of current English, Fourth Edition 2006, Pg 301

2۔ انور پاشا، تانیثیت اور ادب (مرتب) عرشیہ پبلی کیشنز، دہلی، 2014ء، ص 120

3. Simone de Beavvuir, Le Deuzieme sexe, 2 vol. 1949 (The Second sex)

Vol. 5 No.2 2021

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022

4. Cixous, Helene (1991) Coming to writing and other Essays. Ed. Debora h Jenson with an introductory essay by susun Rubin Suliemen Cambridge, Massachchusetts. Havard University Press

5۔ نصرت ظہیر، اردو میڈیا، ترتیب ڈاکٹر خواجہ محمد اکرام الدین، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی، 2012ء ص330

6۔ عزیز احمد، اردو میڈیا، ترتیب ڈاکٹر خواجہ محمد اکرام الدین، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی، 2012ء ص336

7۔ شعیب منصور، ٹرانسکرپٹ، فلم بول، https:youtu.be/6gkgRrZRIwo-42011

8۔ ایضاً

9۔ ایضاً

10۔ ایضاً

11۔ ایضاً